

اے نشہ ظہور - تخلیقی جمال سے مزین ایک مختصر سفر نامہ

ڈاکٹر نثار ترابی

ABSTRACT:

Any travelogue written in a formal narrative or story form can't be termed as such as long as it incorporates literary flair, surprise and entertaining element in itself. It is always instinct with deep observations, personal experiences and impressions painted in an attractive style with all its fine details. Dr. Salman Ali is an emerging name in this genre. Being an educationist, he is a widely respected teacher at the national level and his creative diversity needs no introduction. His critical and research articles published in famous literary journals have been extensively acclaimed. Great humor writer Mushtaq Ahmad Yousafi in an intro to Dr. Salman Ali's latest travelogue writes: "I read the tale of this interesting journey in just one sitting and in just one night. It not only reflects the writer's own taste but also has a class of its own." In the article under review while probing Dr. Salman Ali's literary qualities in this travelogue we have tried to discover his literary standing.

کسی بھی سفری یادداشت کو جسے رسمی رواداد یا قصے کی شکل میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ کسی ادبی امتیاز حیرت و دلچسپی کے فنی عناصر کی عدم موجودگی کی بناء پر ”سفر نامہ“ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ”سفر نامہ“ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ سفر نامہ تو ایک ایسی داستانِ سفر کو کہتے ہیں جس کا لکھنے والا انی مشاہداتی گہرائی اور ذاتی تجربات و تاثرات کو حسی سطح پر اس دل پذیر اسلوب میں بیان کرتا ہے کہ حیرت اور دلچسپی اور آگہی کے نئے جہانِ معانی، کھلتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ایک بیانیہ صنف ہے جس میں جزئیات ایک خاص سلیقے و تہذیب اور تناسب سے مرتب ہوتے ہیں۔ ایسی ہی خوبیوں کے حامل سفر نامہ نگاروں میں ایک ابھرتا ہوا نام ڈاکٹر سلمان علی کا ہے۔ اس سفر نامے کے لئے تحریر کردہ دیباچے میں ”اے نشہ ظہور“ کے عنوان سے ان کی زیر نظر سفری رواداد کو زیر بحث لاتے ہوئے ممتاز مزاح نگار مشتاق احمد یوسفی نے بجا کہا ہے کہ ”میں نے یہ پر کیف سفر ایک ہی نشست اور ایک ہی کتاب میں طے کر لیا۔ اس کا اپنا ایک نشہ اور اپنے روجات ہیں۔“

ڈاکٹر سلمان علی شعبہ تدریس سے وابستہ ہیں اور ایک ہر دل عزیز استاد ی حیثیت سے ملکی سطح پر احترام کی نظر سے دیکھے اور مانے جاتے ہیں اُن کی تخلیقی جہتوں کی تحسین اب کسی رسمی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ اُن کے تنقیدی مضامین ملک کے مرقد ادبی جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ان کے فکری روئیوں میں خرد افروزی کی چمک خصوصی شان رکھتی ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں ، ہم نے ڈاکٹر سلمان علی کے اسی سفر نامے میں موجود ادبی خوبیوں کی کھوج لگاتے ہوئے اُن کے فکری و فنی مقام کے تعین کی سعی کی ہے۔

.....
 ڈاکٹر سلمان علی کی پہلی ادبی کاوش یعنی مذکورہ کتاب انتخابِ عنوان کی ترکیب کے اعتبار سے شعوری یا لاشعوری اتباعِ اسلاف کی مثالیں نظر آتی ہے۔ میر درد کے شعر سے عنوان اخذ کرنا صاحبِ اسلوب مزاح نگار کرنل محمدخان کے اُس طرز کی یاد دلاتا ہے جہاں وہ اپنی تخلیق ”بزم آرائیاں“ کا عنوان غالب کے مندرجہ ذیل شعر سے منتخب کرتے ہیں:

یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں
 لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں
)۱(

ڈاکٹر صاحب نے بھی میر درد کا یہ شعر سرورق کے لیے انتخاب کیا:

اس ہستی خراب سے کیا کام تھا ہمیں
 اے نشہ ظہور یہ تیری ترنگ ہے
)۲(

دل چسپ امر یہ ہے کہ جو ایمائیت ”نشہ ظہور“ کی ترکیب میں میر درد کے درجہ بالا شعر میں ہے اس کا تتبع بھی سفر نامہ نگار کی توضیح میں پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تک دیباچے یا فلیپ کی عبارت کا مطالعہ نہ کر لیا جائے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کتاب درحقیقت علمی سفر کی روداد ہے۔ کارگزاری، قصہ خوانی اور سفر نامے کی طرز کی کوئی تحریر ہے۔ سرورق پر کہکشاں عکس ریز ہے اور وہ بھی شبِ تاریک میں کہکشاں کا منظر حرکت اور مستقل حرکت کا استعارہ ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس سے بلندی تخیل کی بھی غمازی ہوتی ہے۔ فلیپ پر معروف ادیبہ اور استاد شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی، ڈاکٹر روبینہ شاہین کا حوصلہ افزاء اور شفقت آمیز تبصرہ بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ فکری اور جذباتی سطح پر بظاہر علی الاعلان باغی نظر آنے والا یہ شخص درحقیقت حفظِ مراتب اور اساتذہ کے احترام کے جذبات سے مالا مال ہے۔

”دل من مسافر من“ کے عنوان سے نامور مزاح گو مشتاق احمد یوسفی کے تاثرات قاری کو کتاب پڑھنے سے قبل ہی اس تاثر کے قائم کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ کتاب مذکورہ یقیناً کوئی پڑھنے کی چیز ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یوسفی صاحب کا مخصوص اسلوب کہ جو ان کے اس فقرے :

”کتاب کے نام ”اے نشہ ظہور سے مراد کہیں نشہ ظہور احمد اعوان تو نہیں۔“ (۳)

میں ابھر کر سامنے آتا بییقیناً قاری کا لطف دوبالا کر دیتا ہے۔ دیکھیے لفظ ”ظہور“ کی معنوی رعایت سے کیا لطیف کیفیت پیدا کی ہے غالباً یوسفی صاحب نے محترم ظہور احمد اعوان کو ڈاکٹر سلمان

کے لئے ”مرزا عبدالودود بیگ“ کی حیثیت سے شناخت کیا ہے۔ ”نشہ ظہور“ میں ڈاکٹر ظہور احمد اعوان جہانپنپے شخصی اوصاف کی رنگا رنگی میں ظاہر ہوتے ہیں وہاں اس سفر کے دوران مصنف نے کئی دیگر ادبی شخصیات کو بھی اس طرح قارئین کے رو برو کیا ہے کہ ان کی تحریر پر کہیں کہیں تو باقاعدہ خاکوں کا گماں گزرتا ہے اسی حوالے سے بات کرتے ہوئے گوہر رحمان نوید لکھتے ہیں:

”رزم آرائیوں کے اس دور میں مختلف شخصیات کے حوالے سے مصنف نے بزم آرائیوں کے قصے یوں مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں کہ نطق زبان کے بوسے لینے پر مجبور ہوجاتی ہے۔ جز سے کل تک کایہ سفر اور قطرہ میں دجلہ دکھائی دینے کا یہ مرحلہ انہوں نے پور انہماک سے ساتھ طے کیا ہے۔ ظہور احمد اعوان کے خراٹوں سے لے کر سردار پور کی بھاری بھی کم شخصیتوں اور مہمان نوازی میں ان کے پر تکلف کھانوں اور صبح کے ناشے میں پراٹوں تک کی جزئیات نگاری بھی لائق توجہ ہے۔ قیوم بخاری، ظہور احمد اعوان، ڈاکٹر صابر کلوروی، میلسی کے سردار میاں مسعود اور سردار میاں محمود کے مختصر تعارف میں خاکہ نگاری کے زیادہ تر آثار ملتے ہیں۔“ (۴)

اردو ادب میں سفر نامے کی روایت کا اجمالی جائزہ لیا جاتے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت بھی دیگر نثری اصناف کی طرح انگریزی زبان و ادب سے ہی اخذ و قبول کے نتیجے میں اردو ادب کا نثری حصہ بنی ہے۔ تاہم اردو کے سفر نامہ نویسوں کے ہانعمومی طور پر اپنی تہذیبی روایات کے مطابق فن پارے تخلیق کیے گئے ہیں۔ ہر فن پارے میں سفر نامہ نگار کی شخصیت، اس کی مشاہداتی اور قابل بیان اوامر کی ترجیحات اور انفرادی اسلوب کے باعث ہمیں خاصی رنگارنگی ملتی ہے۔ وہ چاہے ”دنیا گول ہے، چلتے ہو تو چین کو چلئے، اور ”ابن بطوطہ کے تعاقب میں“ (ابن انشا)، ”بہ سلامت روی“ (کرنل محمدخان) کے شگفتہ اظہار کی صورت میں ہو یا، نکلے تیری تلاش میں (مستنصر حسین تارڈ) کے معنی خیز اسلوب میں ہو، چاہے ”دھنک پر قدم“ اور ”سات سمندر پار“ (بیگم اختر ریاض الدین) وغیرہ کے فکر انگیز روپ میں ہو۔ جدید سفر ناموں کی اس روایت کا یہ طرز اظہار، مختلف رنگوں اور سجاوٹوں سے سجا اردو کے نثری ادب کو ثروت مند بناتا ہوا اردو کی نثری ادبی تاریخ میں بلاشبہ ایک سرمائے کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن گذشتہ چند برسوں سے سفر نامے کی اس نئی روایت میں جو چند نام اس صنف میں ایک خوش آئند اضافے کی حیثیت سے اردو ادب میں متعارف ہوئے ہیں ان میں ایک نام زیر نظر سفر نامہ نگار کے خالق کا بھی ہے۔

ڈاکٹر سلمان کے سفر نامے پر بات کرتے ہوئے یہ امر بھی ملحوظ خاطر رکھنا از بس ضروری ہے کہ اس میں تفریحی مقامات، خور و نوش کی اشیاء کا بیان، لذت کام و دہن کی باتیں وغیرہ نہیں ملتیں۔ بلکہ یہ بظاہر ایک خشک موضوع پر قلم فرسائی ہے جسے اگر شاعری کی زبان میں بیان کیا جائے تو کہا جائے گا کہ یہ فن تخلیق کے لیے ایک سنگلاخ یا مشکل زمین ہے۔ تعلیمی اداروں کا سفر کرنے والی جماعت کی کارگزاری بیان کرنا بجائے خود ایک دل چسپ موضوع تو ہے۔ لیکن اس کو مقبول عام اور عوام کی تفہیم کے قابل بنانا یقیناً کاردارد ہے۔ ڈاکٹر سلمان نے اپنے شگفتہ اسلوب اور باریک بین مشاہدے کی بنیاد پر اپنے بیانیے کو مزین کیا ہے اور یہی نہیں بلکہ اس میں ان کا تفکر اسے چار چاند لگا دیتا ہے۔ ان کی اس خوبی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ابن احمد رقم طراز ہیں

Dr. Salman Ali's not only sugarcoats his journey with interesting comments and quotations but also awakens a sense of wonder within the reader with his amazing realistic descriptions of life. This book will seem certainly familiar to anyone who has left a routine life behind in search of books, new personalities, sights and tastes on the way. It is essential travel reading even if your itinerary doesn't include educational purpose. The book shares some of the favorite characters and destinations in a creative and engaging way. (5)

اس حوالے سے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو۔

”سورج کی بساط الٹے ہی اندھیروں نے زمام کار سنبھالی اور مظاہر کو عجیب لباس پہنایا۔ اب اس نئی سلطنت میں ہماری نظر صرف اور صرف گاڑی کی داخلی دنیا تک محدود ہو کر رہ گئی اور اس طرح جب سیاہی کا غلبہ بڑھنے لگا تو گاڑی کی داخلی دنیا سے بھی رابطہ کٹ گیا اور اب نظر اپنے داخل پر مرکوز ہو گئی۔ خارج سے داخل کے اس سفر میں سکون و اطمینان محسوس کیا اور یہ سب کچھ سیاہی کے طفیل تھا۔ مظاہر سے کٹنا انسان کے لیے جو کھم ہے۔ قدرت نے کس فراخ دلی سے اس کا اہتمام کیا ہوا ہے۔ سیاہی لیل میں نظر کا رابطہ مظاہر سے کٹ جانے کے بعد انسان خود سے ہم کلام ہوتا ہے اور اس طرح باطن کے اسرار کھلنا شروع ہوجاتے ہیں۔“ (۶)

گاڑی میں سفر دوران دن ڈھلنے اور رات کے چھا جانے کا منظر ایک عام شخص کے لیے تو معمول کی بات ہوگی۔ لیکن اس میں زندگی کے حقائق بیان کرنا اور زمان و حیات کے فلسفے کو واضح کر دینا گہری تفکر اور عمدہ اسلوب کا ثبوت ہے۔ اسی قسم کی تمثیلیت کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو۔

”اب ہمیں میرکارواں کی طرف سے نیچے اترنے کا حکم مل چکا تھا۔ نیچے اترتے ہوئے مجھے لگا کہ اس منزل تک پہنچنے کے لئے ہم کتنی قوت و طاقت اور وقت صرف کرچکے تھے اور یہاں سے اترنا بس ایک جست۔ اس سے اندازہ ہوا کہ فراز سے نشیب میں بس اتنا ہی وقت لگتا ہے۔“ (۷)

واقعی نصیب کے عروج و زوال کے سلسلے کبھی کبھی تو دن سائے اور شام کی پرچھائیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ کب ڈھل جائیں یا کب بلند ہوجائیں کسی کو کیا خبر؟ گردشِ ماہ و سال کے گھومتے چکر کب کس کو اپنی لپیٹ میں لے لیں؟ کسی کو فراز تو کسی کو نشیب مقدر ہوجائے، کہاں دیر لگتی ہے؟

ذرا سی آنکھ جھپکے تو سماں پہلا نہیں رہتا
کوئی منظر گزرنے میں ، کب اتنی دیر لگتی ہے

(۸)

سفر نامہ نویسی کو ڈاکٹر انور سدید ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

”سفر نامے کا شمار اردو زبان کی بیانیہ اصناف میں ہوتا ہے۔ سفر نامہ چونکہ چشم دید واقعات پر لکھا جاتا ہے۔ اس لیے سفر اس کی اساسی شرط ہے۔ بادی النظر میں سفر کے ساتھ انجانے دیسوں کی

سیر، نئی فضاؤں سے واقفیت اور انوکھے مناظر کے مشاہدے کا تصور وابستہ ہے۔ اس لئے سفر میں تحیر کا عنصر فطری طور پر آتا ہے اور یہ تحیر انسان کو سفر پر اکساتا رہتا ہے“ (۹)

مندرجہ بالا تعریف کے تناظر میں ڈاکٹر سلمان علی کے سفر نامے کو دیکھا جائے تو سفر نامہ نویسی کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے اور یہی تحیر کا عنصر زیر نظر سفر نامے کو بھی ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالنے پر اکساتا رہتا ہے۔ تاہم اس میں خصوصی پہلو یہ ہے کہ یہ رواد محض سفر نامہ نہیں ہے بلکہ اس میں قارئین کے لئے تفریح، طبع کے سامان کے ساتھ ساتھ علم و معلومات کی رنگا رنگی اور تفکر کی چاشنی بھی ملتی ہے۔ کہیں طنز و مزاح ہے اور کہیں فکر انگیزی ڈاکٹر صاحب اوصاف حمیدہ کے ایک ایسے مبلغ کے طور پر سامنے آتے ہیں جو باتوں باتوں میں دعوتِ فکر ہی نہیں دعوتِ عمل بھی دے ڈالتے ہیں۔ ثبوت کے طور پر یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

”ایک بج رہا تھا اور جمعے کی نماز کا وقت بھی قریب تھا اس لئے سب دوستوں نے مسجد کی راہ لی جو قریب ہی تھی۔ قرب و جوار سے لوگ جمعہ پڑھنے مسجد کی طرف رواں دواں تھے۔ مولوی صاحب و عظمیٰ مصروف تھے، و عظمیٰ بڑا دل چسپ تھا اس لئے کہ موضوع کا باوجود کوشش کے بھی پتہ نہ چل سکا مولوی صاحب کے لمحہ بہ لمحہ بدلتے موضوعات اور گریز دو گریز سے فکر ارتکاز کے بجائے مائل نہ افتراق تھا۔ مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگ عقیدت و احترام سے گھڑی گھڑی مولوی صاحب کی باتوں پر سر دھنتے اور بعد ازاں ایسے محو ہوجاتے جیسے فنا ہو گئے ہوں۔“ (۱۰)

طنز و مزح کو زیرِ بحث لاتے ہوئے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کہتے ہیں:

”عام طور سے طنز و مزح کے الفاظ کو ملا کر ایک مرکب کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے مگر یہ دو مختلف المعنی الفاظ ہیں۔ مزاج میں زندگی کی ناہمواریوں پر نظر ڈالی جاتی ہے اور یہ نظر ہمدردانہ ہوتی ہے جب کہ عنصر کے پیچھے ان ناہمواریوں کے لئے نفرت کا جذبہ ہوتا ہے۔ مزاح نگار مزاح پیدا کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کرتا ہے مثلاً مشابہت اور تضاد، رعایت لفظی اور تکرار لفظی کی صورت واقعہ، مزاحیہ کردار اور پیروٹی سے مزح پیدا کر سکتا ہے۔“ (۱۱)

زیر نظر سفر نامے میں ڈاکٹر سلمان نے بعض واقعات کو قلم بند کرتے ہوئے گہرے طنز سے گریز کرتے ہوئے مزاح کے ہلکے پھلکے نمونے اس عمدگی سے پیش کئے ہیں کہ وہ قاری کی طبع پر گراں نہیں گزرتے بلکہ ہنسی ہنسی مینکسی گہری معنویت کا پتہ دیتے ہیں مثلاً دیکھیے کس طرح ڈاکٹر ظہور اعوان صاحب کی بہاری بھر علمی شخصیت کو زیرِ بحث لاتے ہوئے ہلکے پھلکے فکائیہ منظر نامے کو کیسے تشکیل دیتے ہیں۔

”اگر میں آواگون کا قائل ہوتا تو اعوان صاحب کو ضرور گذشتہ جنم کی کوئی آبی مخلوق قرار دیتا کیونکہ جہاں کوئی جوہڑ، تالاب، ندی، نالا، دریا، سمندر وغیرہ دیکھا فوراً مچلے اور مچھلی بننے کی کوشش کرنے لگے اور ”ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے“ کے مصداق ڈبکیوں پر ڈبکیاں لگا رہے ہیں۔“ (۱۲)

یہاں مچھلی کی تمثیل اور ”ادھر ڈوبے ادھر نکلے...“ کی تحریف اور اس کے متوازن استعمال میں ایک کہنہ مشق اور پختہ کار مزاح نگار کا اسلوب نظر آتا ہے۔ بالخصوص ان کا واقعہ گوئی میں اعتدال

اختصار اور اتصال من الموضوع وہ خاصہ ہے جو ادبی عرق ریزی سے ہی حاصل ہوتا ہے غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کے اسلوب کو مشتاق احمد یوسفی کے ہاں بھی پذیرائی حاصل ہوئی ہے اور انہوں نے زیرِ نظر سفر نامے کے لئے دیباچہ تحریر کر کے اس کی ادبی وقعت میں اضافہ کیا ہے۔ منظر نگاری اور تشبیہات کا برمحل اور بامعنی استعمال کسی بھی تحریر کو پر اثر بنانے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے اور یہ استعمال زیرِ نظر سفر نامے میں بھی جابجا تحریر کی جمالیات کو اجاگر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً

”سرسوں کے دور دور تک پھیلے ہوئے کھیت ہوا میں ایسے لہرارہے تھے جیسے کسی الڑ دوشیزہ کا آنچل ہوا تیر رہا ہو۔“ (۱۳)

مذکورہ بالا جملہ جہاں تمثیل کاری اور منظر نگاری کی عمدہ جھلک پیش کرتا ہے وہاں رومانوی طرز احساس کی گہری معنویت کے سبب باقاعدہ شاعرانہ انداز بھی لئے ہوئے ہے۔ سفر نامے کے اختتام پر انسانی نفسیات کے حوالے سے مصنف نے اپنی فطرتِ سلیم کے باوصف انسان دوستی کے رویے کو نہ صرف بیان کیا ہے بلکہ اس بیان میں اپنے اندر کے انسان دوست، حساس، ہمدرد اور رقیق القلب انسان کی بھی ایک جھلک دکھائی ہے۔

”اب ہماری گاڑی ایک ایک کر کے دوستوں کو ان کی اقامت گاہوں اور جائے رہائش پر اتارتی تو یوں محسوس ہوتا جیسے میرے وجود کے مختلف حصے ایک ایک کر کے مجھ سے جدا کئے جا رہے ہوں اور اس کے باوجود مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں نے صرف گاڑی تبدیل کی ہے۔ سفر ابھی ختم نہیں ہوا اور نہ یہ روداد...“ (۱۴)

ان اختتامی جملوں کو پڑھتے ہوئے قاری کی باطنی کائنات میں فوراً یہ تحریک پیدا ہوتی ہے کہ ڈاکٹر سلمان فقط اس کارگزاری کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے اسی طرح کے ایک اور سفر کا ارادہ باندھیں او پھر اسے اسی انداز میں بیان بھی فرمائیں۔

سفر نامے کے مطالعے کے فوراً بعد قاری یقیناً ایک فطری تشنگی ضرور محسوس کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ واقعاتی تسلسل نے مصنف کے بانجس پر اثر بیانہ اسلوب کی تشکیل بندی کی ہے اس کا مطالعہ اپنے موضوعاتی تناظر میں کچھ کچھ پھیل بھی جاتا تو غیر حقیقی نہ لگتا۔ قاری تفصیل سے اُس وقت اکتا جاتا ہے جب بیانہ اپنے تسلسل میں غیر حقیقی جزئیات کی تشریح کرنے لگ جاتا ہے۔ مگر یہاں تو تفصیل کئی مقامات پر مستحسن خیال کی جاتی۔ اختصار میں بعض دفعہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ

ہ کچھ راز تھے جو دل میں پنہاں ہی رہ گئے

امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی مزید کتب میں اس کا اہتمام ملے گا۔ آخر میں یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ ایک اچھے سفر نامے کی طرح اس سفر نامے میں بھی سفر نامہ نگار نے جہاں مشاہدے کی گہرائی، تخیل کی بلند پروازی اور فکر کی سر بلندی کی کئی سمتوں کو اپنا ہمنوا بنایا ہے وہاں معروضی اندازِ نظر کو اپناتے ہوئے اس کی پیش کش کو ادبی نوعیت عطا کرنے میں تخلیقی جمال آفرینی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ کمال یہ ہے کہ کہیں بھی اظہار کا سطحی پن نہیں ملتا۔ ایک دل چسپ طرزِ نگارش ہے جس میں نری ادبی شان ہی نہینبلکہ خرد افروزی کے عناصر بھی اپنے جلوے نمایاں کرتے ہیں۔ اس مستقل

بیانیہ صنف کو اختیار کرتے ہوئے مصنف نے اس کی زبان اور لہجے کو موضوع سے فطری طور پر آغاز سے اختتام تک ہم رشتہ رکھا ہے۔ قاری کہیں بھی سپاٹ اور بے رنگ منظروں کی سیر نہیں کرتا بلکہ مصنف کے طرزِ اظہار میں کھوسا جاتا ہے اور یہی اس سفر نامے کی کامیابی کی دلیل ہے۔

حواشی:

- (۱) غالب، مشمولہ دیوانِ غالب، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ص ۱۸۹
- (۲) میر درد، مشمولہ دیوانِ درد، خلیل الرحمن داودی، لاہور: مجلس ترقی ادب ۲، ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۶
- (۳) مشتاق احمد یوسفی، ”دلِ من مسافرِ من“، مشمولہ اے نشہ ظہور، پشاور: پن مین پبلشرز، ۲۰۰۹ء، ص ندارد
- (۴) گوہر رحمان نوید، ”اے نشہ ظہور۔ اردو رپور تاژ نگاری میں ایک خوشگور اضافہ“، مشمولہ تعین، مردان: مضمون پبلی کیشنز جون ۲۰۱۴ء، ص ۱۴۹-۱۵۰
- (6) "Dr. Salman Ali's emotional roller". Coaster by Ibne Ahmed, The News, Islamabad: 14, 2016, P 20
- (۶) سلمان علی، ڈاکٹر، اے نشہ ظہور، پشاور: پن مین پبلشرز، ۲۰۰۹ء، ص ۲۰-۷
- (۷) ایضاً، ص ۳۴
- (۸) نثار ترابی، ڈاکٹر، مشمولہ ہر صدا مسافرِ راول پنڈی: نستعلیق، ۲۰۰۴ء، ص ۷۲
- (۹) انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب میں سفر نامہ، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، سن ندارد، ص ۴۷
- (۱۰) سلمان علی، ڈاکٹر، اے نشہ ظہور، ص ۷۴-۷۵
- (۱۱) رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۳
- (۱۲) سلمان علی، ڈاکٹر، اے نشہ ظہور، ص ۸۲
- (۱۳) ایضاً، ص ۹۵
- (۱۴) ایضاً، ص ۱۰۱
- /...../

